ڈاکٹرساز رضا علی عابدی کیلئے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری

تحریر: سہیل احمد لون

جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اسے پکارنے اور پہچاننے کے لیے گھر والے بڑے پیار سے اس کا نام رکھتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جب انسان مرتا ہے تو اسی لمحے اس کا نام لینے کی بجائے لوگ میت یا مردہ کہنا شروع کر دیتے ہیں۔لحد میں اتارنے کے بعد چند دن اسے یاد کیا جاتا ہے پھر وہ ماضی کے آئینے کی ایسی تصویر بن جاتا ہے جس پر وقت کی دھول جمتی رہتی ہے۔ انسان کا نام اکثر تیسری یا چوتھی نسل تک ہی یاد رکھا جاتا ہے اس کے بعد نام بھی جسم و روح کی طرح ہمیشہ کی لیے غائب ہو جاتا ہے۔ انسان جب تک زندہ رہتا ہے اپنے کام کے ذریعے نام پیدا کرنے کی جستجو میں رہتا ہے۔یعنی انسان پہلے کام کی وجہ سے نام کماتا ہے پھر جب کامیابی کے زینے طے کرکے شہرت کی بلندیوں کو چھوتا ہے تو اس کے بعد اس کا نام ہی اس کے کسی بھی کام کی کامیابی کی ضمانت تصور کیا جاتا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا نام آئندہ آنے والی نسلوں میں دیر تک زندہ رہے تو اس کے لیے ایک طریقہ تو یہ ہے کہ کچھ ایسا لکھ دیا جائے جسے آئندہ آنے والی نسلیں پڑھتی رہیں یا کچھ کر دیا جائے جس پر آئندہ آنے والی نسلیں یاد کرتی اور اس پر کچھ لکھتی رہیں۔ وہ انسان بہت نصیب والے ہوتے ہیں جو کچھ ایسا لکھنے یا کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں جو ان کا نام زندہ رہنے کا ضامن بنے۔ دنیا میں کچھ ایسے بھی خوش نصیب ہوتے ہیں جو ایسا لکھ بھی دیتے ہیں جسے پڑھا جائے اور کچھ ایسا کام بھی کر دیتے ہیں جس پر لکھا جائے لیکن ایسے خوش قسمتوں کی تعداد تاریخ میں ہمیشہ کم ہی رہی ہے ۔مولانا روم نے کہا ہے کہ میں نے بہت سے انسانوں کو بے لباس دیکھا اور بہت سے قیمتی لباسوں میں مجھے انسان نظر نہیں آئے۔ مادیت کے اس دور میں جب ہم ظاہریت کی بھول بھلیوں میں کھو چکے ہیں جب کبھی انسانی بنیادوں پر ہونے والا کوئی فیصلہ منظر عام پر آتا ہے تو تو تپتے صحرا میں بادِ نسیم کے جھونکے جیسا محسوس ہوتا ہے۔ رضا علی عابدی صاحب کا شمار بھی ان خوش قسمت لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے نہ صرف لکھا بلکہ بہت خوب لکھا، اور جو بھی کیا بہترین کیا۔عرصہ دراز سے لندن میں مقیم سینئر براڈ کاسٹر، متوازن دانشور اور سادہ ترین الفاظ میں گہری باتیں لکھنے والے جناب رضا علی عابدی کو گزشتہ دنوں بہاولپور یونیورسٹی نے پروفیسر شپ کے ساتھ ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری سے نواز کر کم از یہ تاثر تو ضرور کم کر دیا کہ وطن عزیز میں اعزازی ڈگری صرف بانٹی ہی نہیں جاتیں بلکہ کسی اہل کو دی بھی جاتی ہے۔ ویسے سینئر صحافی یا سینئر تجزیہ نگار کا ٹائٹل بھی پاکستان میں ہر ایرے غیرے نتھو خیرے کے نام کے ساتھ لگا دیا جاتا ہے جن میں وہ حضرات بھی شامل ہیں جو چند ہفتے خبریں پڑھنے کے بعد اس فہرست میں شامل ہو چکے ہیں۔ اگر عابدی صاحب کو اس اعزاز سے نہ نوازہ جاتا تو ایسا ہی محسوس ہوتا کہ جنرل نیازی یا جنرل یحییٰ خان کو کسی اعلیٰ فوجی اعزاز سے نواز دیا جائے مگر اسکوڈرن لیڈر ایم ایم عالم یا لانس نائک محفوظ شہید کو نظر انداز کر دیا جائے۔ بہاولپور یونیورسٹی نے تو صرف ان کو پروفیسر شپ کے اعزاز تک ہی محدود رکھنا تھا مگر دوران تقریب گورنر پنجاب کے ٹیلیفون پر جاری کردہ فرمان کے مطابق انہیں اسی وقت اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے بھی نوازہ گیا۔ 26 فروری ء کو ہاؤس آف کامنز کے میک میلن ہال میں اردو مرکز لندن اور تھرڈ ورلڈ سولیڈیریٹی کی مشترکہ کاوش سے رضا علی عابدی صاحب کے اعزاز میں ایک پروقار تقریب کا

اہتمام کیا گیا جس میں سینئر صحافی آصف جیلانی، اردو مرکز لندن کے چیئر مین ڈاکٹر جاوید شیخ، معروف شاعر عقیل دانش، ڈاکٹر احسن زیدی، مصطفےٰ علی خان، مشتاق لاشاری نے رضا علی عابدی کی شخصیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس موقع پر جناب خرم سہیل کی لکھی کتاب "رضا علی عابدی۔ سوانح عمری" کی تقریب رونمائی بھی ہوئی۔ تقریب کے آخر میں شرکاء نے رضا علی عابدی سے سوالات بھی کیے۔ وہ ان دنوں پکوان بنانے کی کتاب پر بھی کام رہے ہیں۔ میوزک پر ان کی بہت گہری نظر ہے گزشتہ دنوں ایک نجی ٹی وی چینل پر گانے کے مقابلہ میں ایک بچی کو ججز نے پروگرام سے باہر نکال دیا تو انہوں نے اس کی آواز سن کر یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اس میں ٹیلنٹ ہے۔ سوشل میڈیا پر رضا علی عابدی کی ایک آواز پر بہت سے لوگوں نے لبیک کہا اور اس لڑکی کی امانت علی خان نے البم بھی ریلیز کر دی۔ وہ باکمال دانشور، منجھے ہوئے صحافی، پر اثر تحریر کے مالک لکھاری، اپنی میٹھی آواز کی طرح میٹھے سروں میں بانسری بجانے کے فن سے مالا مال، جن ہاتھوں سے موتیوں کی مانند الفاظ نکلتے ہیں انہیں سے مزیدار پکوان بنانے والے شخص کے علاوہ ایک بہت ہی عاجز، حلیم اور سب سے بلاامتیاز محبت کرنے والے ایک سچے کھرے محب وطن پاکستانی اور اعلیٰ کردار کے مالک انسان بھی ہیں۔ ہمارا یہ المیہ ہے کہ ہم اپنے لیجنڈز کو ان کی زندگی میں انکے کام کو سراہنے میں بخل اندازی سے کام لیتے ہیں۔ خاص طور پر ہمارا میڈیا ہمارے قومی ہیروز کو ان کی زندگی میں دنیا میں متعارف کروانے میں وہ کردار ادا نہیں کرتا جو غیر ملکی فلم سٹارز کی شان میں قصیدے پڑھنے میں صرف کرتا ہے۔ رضا علی عابدی اس لحاظ سے بہت خوش قسمت ترین انسان ہیں کہ ان کا لکھا ان کی زندگی میں ہی مقبول ہوا، اور ان کے کام اور خدمات کا اعتراف ان کی زندگی میں ہی کیا گیا۔ جیسے ہر کامیاب انسان کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے اسی طرح رضا علی عابدی اپنی کامیابی کا کریڈٹ اپنی بیوی کو دیتے ہیں۔ بقول عابدی صاحب! ادب میں صرف ادب ہوتا ہے اس میں بے ادبی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، ادبی لوگ قلم سے انقلاب لاتے ہیں وہ کبھی سڑکوں پر احتجاج کرتے نظر نہیں آتے۔ مگر ہماری قوم کو جگانے کے لیے شاید ادبی شخصیات کو بھی سڑکوں پر نکلنا ہوگا، کیونکہ ہم ابھی اتنے باادب نہیں ہوئے کہ قلم کے مزدور کے صرف الفاظ سے ہم پر اثر ہو جائے۔ قوم کو جگانے کے لیے ادبی شخصیت حبیب جالب نے جتنا وقت کچھ لکھنے میں صرف کیا اتنا ہی سڑکوں اور جیل کی سلاخوں کے پیچھے بھی گزارا۔ حیران کن طور حبیب جالب نے اشرافیہ کے خلاف جو لکھا، ان کے مرنے کے بعد وہی اشرافیہ ان کے کلام کو عوام کو بیوقوف بنانے کے لیے جلسوں اور جلوسوں میں پڑھتی نظر آتی ہے۔

رضا علی عابدی صاحب کی گراں قدر خدمات کے اعتراف میں ان کو اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملنا اُن کی خدمات کا بہترین اعتراف ہے۔ ہم ان کو ڈاکٹر تو نہیں لکھ سکتے مگر ان پر ریسرچ کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ضرور حاصل کر سکتے ہیں مگر کچھ لوگ ڈگریوں سے بہت بلند ہوتے ہیں' وہ خود چلتی پھرتی یونیورسٹیاں ہوتے ہیں جو ان گنت ڈاکٹر بننے کا فیض اپنے قرب میں وقت گزرنے والوں کو جاری کر دیتے ہیں بلاشبہ عابدی صاحب بھی ایسی ہی ایک لاثانی شخصیت ہیں جن کے چاہنے والوں کی تعداد دنیا بھر میں ہے اور کیوں نہ ہو کہ وہ لوگ جو انسانوں کیلئے جیتے ہیں انہیں انسان کبھی فراموش نہیں کرتے۔ یہی سچ اور سب سے بڑی ڈاکٹریٹ ہے لیکن برطانیہ میں مقیم پاکستانی گورنر پنجاب کے انتہائی شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اہلیت کو معیار بنانے کا اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ بلاشبہ رضا علی عابدی اس سے بہت زیادہ کے مستحق

تھے۔

سہیل احمد لون
سربٹن۔سرے
sohailloun@gmail.com
02-03-2014.